درسِ قرآن

(۴)

سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترتیب و تسوید: جمیل الرحمٰن / عاکف سعید

© rasailojaraid.c

دوسری آیت

اب آیئے دوسری آیت کی طرف — فرمایا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے (اللہ کی توحید پر، جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر، بعث بعد الموت پر، یوم آخرت پر) اور جنہوں نے نیک، اچھے اور بھلے عمل کئے، اور اس چیز پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی ہے (یعنی وحی الٰہی، کلام اللہ، قرآن مجید) اور وہ سراسر حق ہے ان کے رب کی طرف سے — تو اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کو درست کر دیا۔"

آیت کی تشریح و توضیح

پہلے تو قرآن مجید کے اس عام اسلوب کو ذہن میں تازہ کر لیجیے جس کا میں بارہا تذکرہ کر چکا ہوں کہ قرآن مجید میں فوری تقابل (SIMULTANEOUS CONTRAST) کے اسلوب کو بڑی کثرت سے استعمال کرتا ہے۔ جہاں اہلِ ایمان کا ذکر آئے گا وہاں عموماً فوراً بعد کفار کا ذکر بھی ہوگا۔ جہاں اہلِ جنت کا بیان ہوگا وہاں جہنمیوں کا ذکر بھی آجائے گا۔ جہاں کفار کے انجامِ بد کا ذکر ہوگا وہاں اہلِ ایمان کے اکرام، اعزاز اور انعام کا بیان بھی ہوگا۔ تقدیم و تاخیر تو ملے گی لیکن اکثر و بیشتر آپ کو قرآن مجید میں یہی اسلوب ملے گا۔ چنانچہ یہاں بھی

© rasailojaraid.c

دیکھیے کہ جب کفار کی بات ہوئی تو ساتھ اہلِ ایمان کا بھی ذکر ہوگیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خصوصی عنایات کا کیا معاملہ ہے ! اس آیت میں "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں ـــــ نوٹ کیجیے کہ 'عمل' کا لفظ دونوں آیتوں میں مشترک ہے وہاں کفار کے لئے بھی یہ لفظ آیا تھا "اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ" ۔ اور یہاں آیا 'عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' ـــ میں اپنے کتابچہ "راہِ نجات ۔ سورۃ العصر کی روشنی میں" واضح کر چکا ہوں اور اکثر اس کی وضاحت کرتا رہا ہوں کہ لفظِ 'فعل' اور لفظِ 'عمل' دونوں کا ترجمہ ہم کام کر دیتے ہیں۔ جب کہ عربی میں ان کے معانی میں بڑا فرق ہے ۔ فعل ہر نوع کے کام کو کہتے ہیں ۔ لیکن عمل اس کام کو کہتے ہیں جس میں محنت صرف ہو یعنی مشقت طلب اور تھکا دینے والا کام ۔ اسی لئے سورۃ الغاشیہ میں یوم آخرت میں نافرمانوں اور کافروں کی کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے ۔ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ "محنت مشقت کرنے والے، بے حد تھکے ہوئے"۔ تو سورۂ محمد ﷺ کی ان دونوں آیتوں میں لفظِ عمل کے اشتراک سے معلوم ہوا کہ کفار کا بھی 'عمل' تھا ۔ وہ بھی اپنے مقصد کے لئے بڑی محنتیں کر رہے تھے ۔ وہ بھی دعوتِ توحید کا راستہ روکنے کے لئے اپنی توانائیاں لگا رہے تھے ۔ ان کے لئے تو فرما دیا : 'اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ' " ان کی محنت اکارت کر دی گئی "۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں اہلِ ایمان کے لئے جو "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ آئے تو ان سے کون سے نیک کام مراد ہیں ؟ کیا نماز، زکوٰۃ ، روزہ اور حج ! یقیناً اعمالِ صالح سے مراد نماز بھی ہے لیکن پنج وقتہ نماز تو فرض ہوئی تھی ہجرت سے قریباً ڈھائی سال قبل ۔ یقیناً ان میں زکوٰۃ بھی شامل ہے لیکن ابھی اس کا پورا نظام نہیں آیا ، اس کے مقادیر، اس کا نصاب ابھی معین ہی نہیں ہوا ۔ فرض روزوں کا حکم ابھی تازہ تازہ آیا ہے اور اس سورہ مبارکہ کے نزول سے پہلے رمضان کا مہینہ آیا بھی نہیں ۔ حج کی ادائیگی کا اس وقت کیا سوال ! وہ مقامات جن سے حج کے مراسم و مناسک متعلق ہیں، وہ سارے تو مشرکین کے قبضہ میں ہیں ۔ ابھی تو شراب اور قمار کی حرمت بھی نہیں آئی ۔ سود کا لین دین بھی اس وقت تک حرام قرار نہیں دیا گیا ۔ یہ تمام حرمتیں تو تدریج بعد میں عائد ہوئی ہیں ۔

یہاں لازماً ذہنوں میں یہ سوالیہ نشان ابھرنا چاہیے کہ اس آیت میں 'اعمالِ صالح' سے کون سے اعمال مراد ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دینُ اللہ، دینِ توحید کے لئے جو

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

محنتیں انہوں نے کیں۔ دین کے لیے جو قربانیاں انہوں نے پیش کیں۔ دین کے لیے جو مصائب، شدائد، مظالم انہوں نے اٹھائے اور جس طرح سے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے، اس کی نشر و اشاعت کے لیے انہوں نے اپنی جو صلاحیتیں اپنی ذہانتیں اور اپنی توانائیاں صرف کیں۔ خالصتہً دین کے لیے انہوں نے اپنے روشن مستقبل (BRIGHT CAREERS) کو جس طرح قربان کیا اور محض دین کی خاطر اپنے مشرک والدین اور اعزہ و اقارب سے قطع تعلق کیا — در اصل یہاں 'عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' سے یہ تمام اعمال مراد ہیں۔ مکہ میں ہجرت سے قبل ایمان لانے والے تمام مہاجرین اور اس سورت کے نزول تک ایمان لانے والے تمام انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس آیت کا مصداق ہیں۔ یہ تو ہوئی اس آیت کی تاویل خاص۔ تاویل عام کے اعتبار سے اعمال صالح میں یہ تمام اعمال بھی اور ان کے ساتھ ساتھ دین کے تمام اوامر و نواہی بھی لازمی اجزاء کی حیثیت سے شامل ہیں اور قیامت تک شامل رہیں گے۔ اسی بات کو سورۃ العصر میں نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا کہ نجاتِ اُخروی اور فلاح و صلاح دنیوی کے خسران سے بچنے کے چار لوازم، چار شرائط ناگزیر ہیں:

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"زمانہ کی قسم ہے کہ یقیناً تمام انسان بڑے خسارے سے دوچار ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جو نیک عمل کرتے رہے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت و تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت و تاکید کی۔"

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ چونکہ دین کی اصل تعلیمات اور اس کے انقلابی پیغام اور دعوت سے بُعد اور چار پانچ صدیوں پر محیط بتدریج زوال و انحطاط کے خاص پس منظر میں ہمارا یہ ذہن بن چکا ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ کہ قرآن مجید میں جب بھی 'عملِ صالح' کا ذکر آتا ہے تو اس سے ہم مراد لیتے ہیں نماز، زکوٰۃ، روزہ حج — اس سے آگے بڑھیں گے، نیکی کا جذبہ مزید زور مارے گا تو نفلی عبادات کی ادائیگی مثلاً عمرہ، نفل نمازیں، تہجد کا اضافہ ہو جائے گا۔ وضع قطع میں سنّت کا کچھ اہتمام ہونے لگے گا۔ خدمتِ خلق میں بھی کچھ حصہ لے لیا جائے گا یا ایسے اداروں سے مالی تعاون کر لیا جائے گا۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

دینی مدارس کی سرپرستی ہو جائے گا، مساجد کی تعمیر میں دلچسپی بڑھ جائے گی۔ اس سے آگے ہم لوگوں کا، الّا ماشاء اللہ، تصوّر پہنچتا ہی نہیں ہے۔

میں اس لئے اتنی تفصیل میں جا رہا ہوں کہ غور کیجیے کہ مکّی سورتوں میں جب اعمالِ صالحہ کا ذکر آتا ہے تو وہ کس سیاق و سباق (Context) میں آتا ہے۔ اس سے حقیقی مراد کیا ہوتی ہے! وہاں تو ابھی پنج وقتہ نماز اور زکوٰۃ کا کوئی نظام ہی نہیں تھا۔ حلال و حرام کے ابھی احکام آئے ہی نہیں تھے۔ ابھی تو سود بھی کھایا جا رہا تھا اور شراب بھی پی جا رہی تھی۔ لہٰذا اس دور میں 'عملِ صالح' کیا تھا! وہ 'اعمالِ صالحہ' تھے۔

"وہ جدوجہد، وہ محنت، وہ مشقّت، وہ ایثار، وہ قربانی، وہ مصائب اور ظلم و ستم کا جھیلنا۔ وہ تشدّد کا برداشت کرنا۔ وہ اپنے مؤقف پر ڈٹے رہنا۔ اور کھڑے ہو کر ڈنکے کی چوٹ اعلان کرنا کہ ہاں ہم محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے ہیں اور ایک اللہ واحد و احد کو ماننے والے ہیں۔ ہم مشرکانہ و استحصالی نظام کے باغی ہیں اور دینِ توحید کی اقامت کی جدوجہد میں اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے اور اس راستہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنے لئے سب سے بڑی کامیابی و کامرانی ہونے پر یقین رکھتے ہیں ہمارا ایمان و ایقان ہے کہ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ؕ"

یہ ہے سیاق و سباق آیت کے اس ٹکڑے کا کہ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ"

قرآن مجید پر ایمان کا خصوصی ذکر

اب آگے چلئے فرمایا: وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو نازل کیا گیا ہے محمد پر (صلّی اللہ علیہ وسلّم)" ـــــ یہ بات ذرا تشریح طلب ہے چونکہ 'وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' میں یہ چیز موجود ہے۔ ایمان کا کوئی مفہوم ہی نہیں جب تک اس میں ایمان بالقرآن، جو آپؐ پر بتدریج نازل ہو رہا ہے، شامل نہ ہو۔ اس کا علیحدہ ذکر کیوں کیا گیا۔ اس کا دراصل ایک تاریخی پس منظر ہے، جسے میں سورۂ بقرہ کے ابتدائی رکوعوں کے مطالعہ کے مواقع پر تفصیل سے بیان کیا کرتا ہوں ـــــ اس موقع پر اس پس منظر کا اختصار سے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو فوری طور پر آپؐ کی دعوت کا سابقہ اور واسطہ علمائے یہود سے پیش آیا۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ آپؐ توحید کی دعوت دیتے ہیں

© rasailojaraid.com

ہم اللہ کو توحید کے ساتھ پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ آپؐ آخرت اور بعث بعد الموت کی بات کرتے ہیں ہم ان امور کو بھی پہلے سے تسلیم کرتے ہیں۔ آپؐ رسولوں کا ذکر کرتے ہیں، حضرت نوحؑ کا حضرت ابراہیمؑ کا حضرت موسیٰؑ کا، تو ہم بھی ان کو مانتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی مسلم ہیں — اور آپؐ ہمیں بھی مومن تسلیم کریں۔ چاہے ہم آپؐ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور نہ قرآن کو منزّل من اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ آپؐ ہی کو تو نہیں مانا باقی تو سینکڑوں رسولوں کو مان رہے ہیں — چنانچہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہمیں بھی مسلم اور مومن تسلیم کرو اور ہم چونکہ پہلے سے مسلمان ہیں لہٰذا اس پہلو سے ہمیں تم پر ایک نوع کی برتری حاصل ہے۔

یہود کی ذہنیت کے اثرات: درحقیقت یہودیوں کی یہی ذہنیت اور ان کے اسی پروپیگنڈے کا شاخسانہ تھا جس کے باعث منافقین کا ایک طبقہ پیدا ہوا۔ اس میں رفتہ رفتہ اصل میں یہی ذہنیت نشوونما پاتی چلی گئی اور اس کا ظہور منافقین میں اس شکل میں ہوا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر بات مانیں۔ یہ بھی تو ہماری طرح کے انسان ہیں۔ اسی گوشت پوست کے بنے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے ہم نے توحید کو مان لیا ہے، آخرت کو مان لیا ہے۔ چلیے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بھی مان لیتے ہیں۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر معاملہ میں شخصی اطاعت کیوں کریں! یہ چیز ان پر بڑی گراں گزرتی تھی۔

ایک لائق توجہ بات: اس ضمن میں، میں ایک بات اور بھی عرض کیا کرتا ہوں۔ اس پر ذرا غور کیجیے گا اور اسے اس کے صحیح پس منظر میں سمجھیے گا۔ کہیں یہ گمان نہ کر بیٹھئے گا کہ میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کوئی توہین کر رہا ہوں۔ دیکھیے ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کیا ہے! یہ کہ ہمارے سامنے گوشت پوست سے بنے ہوئے محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک موجود نہیں ہے۔ ہمارے لیے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک INSTITUTION، یعنی ایک ادارہ کی ہے، ایک شخص کی نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں کا امتحان بہت سخت تھا جن کے سامنے حضورؐ بنفسِ نفیس، بجسدِ شریف موجود تھے۔ یہ وہ صورتِ حال تھی، جس میں گویا ایک انسان دوسرے انسان کا حکم ماننے پر مجبور رہے۔ بظاہر تو آپؐ انسان ہیں سب کو نظر آ رہا ہے کہ حضورؐ انسان ہی ہیں — پھر قوم بھی وہ جو بڑی خودسر درجھگڑالو تھی — لوگ ذرا ذرا سی بات پر مشتعل اور آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ اسی کا نقشہ حالی مرحوم نے اس شعر میں نظر آتا ہے

© rasailojaraid.c
©rasailojaraid.c

؎ کہیں پانی پینے پلانے پر جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پر جھگڑا

اس تناظر میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ منافقین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملہ میں شخصی اطاعت بڑی شاق کیوں گزرتی تھی۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ بات ہمیں بھی بہت شاق گزرتی ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو آسانی سے کسی کے ہاتھ پر دین کے لئے سمع و طاعت کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ شخصاً بات ماننی پڑے جائے گی۔ مجھے اپنی رائے پیچھے ڈالنی ہوگی اور جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس کی رائے کو فوقیت دینا ہوگی حالانکہ آج وہ بیعت نہیں ہے کہ جو حکم بھی دیا جائے وہ آپ مانیں بلکہ اس کے لئے اب فی المعروف کی شرط لازم ہے۔ یعنی اطاعت صرف اس حکم کی ہوگی جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے کسی صریح حکم کے خلاف نہ ہو۔ اب جو معاملات خلاف نہیں ہیں، ان میں دو رائے ہو سکتی ہیں۔ ایک آپ کی اور ایک امیر کی۔ آپ امیر کے مقابلہ میں اپنی رائے سے کیوں دست کش ہوں! یہ بات کوئی انسان آسانی سے گوارا نہیں کرتا۔ یہی تو عبداللہ ابن ابی کی بات تھی جس کی وجہ سے وہ غزوہ احد کے موقع پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر راستہ ہی سے واپس چلا گیا۔ اس نے کہا کہ ہم نے جو مشورہ دیا تھا اس پر کیوں عمل نہیں کیا جا رہا۔ ہمارا مشورہ صائب ہے، درست ہے۔ جب ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ "ہمارے ہاتھ میں بھی کوئی اختیار ہے کہ نہیں"! اس کا یہ قول سورۂ آل عمران میں نقل ہوا ہے۔ یہ بات واقعتہً بڑی کٹھن ہوتی ہے کہ شخصی طور پر کسی کی اطاعت کی جائے۔ طبیعت اس پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی۔ نفس اس سے بغاوت کرتا ہے ـــــ!

حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی عظمت: اسی اعتبار سے میں کہا کرتا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت ہمارے سامنے آتی ہے۔ میرے لئے اسے بیان کرنا مشکل ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنی شخصیت کی نفی کر دی تھی! ایمان لانے کے بعد ان رضؓ کی پوری زندگی میں ان کی ذاتی شخصیت کی ہمیں کامل نفی (COMPLETE NEGATION) نظر آتی ہے۔ ہمیں کہیں نظر نہیں آتا کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مقابلہ میں اپنی کوئی رائے کبھی پیش بھی کی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں رضؓ نے اپنے تشخص کو

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اس طرح حضورؐ کی ذات میں گم کر دیا ہے کہ ان کی شخصیت معدوم کے درجہ میں نظر آتی ہے۔
فنا فی الرسول کہنا آسان ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ فنا فی الرسول کا لفظ اگر کسی ذات
پر بتمام و کمال صادق اور راست آتا ہے تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
شخصیت ہے اور یہی درحقیقت ان کی عظمت ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ
ابوبکرؓ کو تم سب پر جو فضیلت ہے، وہ نمازوں یا روزوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے۔
ــــ نفلی نمازوں اور روزوں کا کئی گنا زیادہ اہتمام کرنے والے تو حضرت ابوبکرؓ
کے مقابلہ میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے حضرت عبداللہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بڑھ کر نفلی روزے اور قیام اللیل کی پابندی کرنے والا کون ہوگا
جو کسی روز بھی ناغہ کرنے پر تیار نہیں تھے۔ حضورؐ نے انہیں حکماً روکا ہے تب بھی انہوں نے
یہ بات منوائی کہ حضورؐ میں ایک دن روزہ رکھوں گا اور ایک دن ناغہ کروں گا۔ حضورؐ نے
ان کو حکماً پوری پوری رات نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ صرف تہجد اور زیادہ سے زیادہ
ایک تہائی رات کی اجازت دی تھی۔ پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد کا
یہ عالم تھا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مَنْ كَانَ يَسُرُّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى زُهْدِ عِيْسٰى فَلْيَنْظُرْ
اِلٰى صَاحِبِيْ اَبِيْ ذَرٍّ جس کسی کو حضرت عیسیٰؑ کا زہد چشم سر سے دیکھنا ہو تو وہ میرے دوست
ابوذر کو دیکھ لے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، تو ان حضرات سے آگے کون جائے گا! لیکن نبی اکرم صلّی اللہ
علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ابوبکرؓ کی فضیلت و عظمت نماز اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں
ہے ــــ ان کو جو فضیلت و عظمت حاصل ہے وہ اس ایمان کی بناء پر ہے جو انؓ
کے دل میں ہے، دل میں یقین کی جو کیفیت ہے، جس درجے کی حُبِّ رسولؐ ہے حضورؐ کے
قدموں میں اپنے آپ کو بالکلیہ کھپا دینے والی جو کیفیت ہے۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں اپنا سب
کچھ کھپا دینے کی جو شان ہے پھر اس کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کا جو بے پناہ جذبہ، تمنا
اور آرزو ہے ــــ یہ ہیں وہ چیزیں جنہوں نے آنجنابؓ کو افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق کے
مقام پر فائز کیا ــــ اس کے تقابل (CONTRAST) کے طور پر میں عبداللہ بن ابی کی شخصیت
پیش کر رہا ہوں۔ یہی چیز تھی سب سے مشکل۔ اس کے لئے اطاعت رسولؐ ہی سب سے کٹھن
مرحلہ تھا کسی عظیم شخصیت کے سامنے اپنی ذات کی نفی کرنا یہی تو دشوار اور کٹھن کام ہے۔ یہی سب سے
بڑا ایثار ہے۔ اسی میں فیل ہو گئے تھے علماءِ یہود۔ ورنہ وہ حضورؐ کو اور قرآن مجید کو اس طرح پہچانتے

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے ۔ " یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَھُمۡ " (البقرہ) ـــ تو یہاں درحقیقت اس طرزِ عمل کی نفی کرنے کے لئے فرمایا گیا : وَاٰمِنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۔ اب کسی کا ایمان معتبر نہیں ہوگا جب تک وہ حضورؐ پر اور اس چیز پر یعنی قرآن مجید پر ایمان نہ لائے جو آپؐ پر نازل ہو رہا ہے ۔

یہود و منافقین کے کردار پر قرآن کا تبصرہ : دیکھئے سورۂ بقرہ کا دوسرا رکوع اسی بات سے شروع ہوتا ہے : وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ " لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لائے ۔ حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں " ۔ اللہ کی گواہی ہے کہ وہ صرف اپنی زبانوں سے وہ ایمانیات کا اقرار کرتے تھے [illegible] تھی : وہ ایمان بالرسول ہے ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس کیلئے وہ تیار نہیں تھے ۔ قرآن نے صاف کہہ دیا کہ ایسے لوگ مومن نہیں ۔ یہاں قرآن مجید کا اسلوب ایسا جامع ہے کہ یہود کے علماء اور منافقین دونوں پر راست آتا ہے ۔ منافقین کا پورا پردہ چاک کیا گیا ۔ سورۃ المنافقون میں ۔ جب وہ اس آخری حد تک پہنچ گئے جو لاعلاج تھی اور جہاں سے واپسی ممکن نہیں رہی تھی فرمایا :

اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا	" (اے نبی !) جب یہ منافق آپؐ کے
نَشۡھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ	پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی
وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ	دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں " ۔
وَاللّٰہُ یَشۡھَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ	اور اللہ خوب جانتا ہے (اس سے زیادہ
لَکٰذِبُوۡنَ ۝ (سورۃ المنافقون آیت ۱)	جاننے والا کون ہو سکتا ہے ۔

چونکہ اسی تعالیٰ نے تو آپؐ کو بحیثیت رسول مبعوث فرمایا ہے) کہ آپؐ اس تعالیٰ کے رسول ہیں ۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں یعنی ان کا قول تو سچا ہے ۔ لیکن یہ محض ظاہری اقرار ہے ۔ ان کا باطن آپ پر تصدیق قلبی والے ایمان سے بالکل خالی ہے ۔ یہ جھوٹ موٹ کے مومن بنتے ہیں درحقیقت یہ لوگ جھوٹے ہیں ۔

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ منافقین کے گروہ کے وجود میں آنے کے دیگر بہت سے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا اور آپؐ کی اطاعت کرنا ان پر سخت گراں گزرتا تھا ۔ پھر یہ کہ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کے لئے ہر وقت آمادہ رہنا بھی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ان پر بہت شاق گزرتا تھا جس میں نہیں مال کے زیاں اور جان جانے کا خوف ہر وقت لاحق رہتا تھا۔ چونکہ اپنی جان و مال اور علائق دنیا ان کو اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کے لئے جان و مال کی قربانی دینے سے زیادہ محبوب و عزیز تھے۔ چنانچہ وہ ان قربانیوں سے جی چراتے تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد بھی ان کے قریبی مجلسی اور قلبی تعلقات یہودیوں سے مستقل طور پر قائم تھے تو جیسے درخت کے نیچے جھاڑ جھنکار پیدا ہو جاتا ہے جسے ہم UNDER GROWTH کہتے ہیں ویسے ہی یہودی ذہنیت ان کے دلوں میں مسلسل سرایت کرتی چلی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جیسی دشمنی یہود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ویسی ہی منافقین کو بھی ہو گئی تھی۔ بہر حال اس موقع پر منافقین کا ضمناً تذکرہ آگیا۔

چنانچہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ فرمانے کی اصل غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ اب توحید اور بعث بعد الموت و آخرت نیز سابقہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی تصدیق ہرگز کفایت نہیں کرے گی۔ جب تک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس چیز پر پختہ ایمان نہ لایا جائے جو آپ پر نازل ہو رہی ہے۔ یعنی قرآن مجید! واللہ اعلم!

ایمان بالقرآن کو مزید مؤکد کرنے کے لئے وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے فوراً بعد یہ الفاظ لائے گئے کہ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ــــ "اور جو چیز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے وہ ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے"۔ اس کلام کے منزل من اللہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی ابتدا میں وضاحت کر دی گئی تھی۔ جو پہلی مدنی سورت ہے۔

بشارت: ایمان بالقرآن کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اب ان اہل ایمان کو بشارت دی جا رہی ہے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کو حرز جاں بنا لیں کہ: كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ــــ "اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں"۔ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ "اور ان کے حالات کی اصلاح فرما دی"۔ ان کو درست کر دیا ــــ یہ گویا اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ کے مقابل کی بات فرمائی جا رہی ہے۔ یہاں بھی ماضی کے صیغہ ہی میں کلام فرمایا گیا ہے تاکہ حتمیت و قطعیت کا مفہوم سامنے آجائے۔ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اسلام کو قبول کرنے سے اور ایمان لانے سے قبل دور جاہلیت میں ان سے

© rasailojaraid.c

جو گناہ سرزد ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نامۂ اعمال سے محو کر دیا، مٹا دیا، ساقط کر دیا۔ اب یوم آخرت ان اعمال پر باز پرس نہیں ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ عقائد، نظریات، اعمال اور اخلاق کی جن گمراہیوں اور خرابیوں میں ایمان لانے سے قبل وہ مبتلا تھے، وہ بھی ان سے دور کر دیں اور ان کی اصلاح احوال فرما دی۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بشارت دی ہے کہ تین چیزیں وہ ہیں جو سابقہ زندگی کے تمام گناہوں، برائیوں خرابیوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ ان میں سے ایک ہے کفر سے اسلام میں آنا، دوسرے نمبر پر ہے حج مبرور یعنی وہ حج جو اللہ کے یہاں مقبول ہو جائے۔ اور تیسرے نمبر پر ہے اللہ کی راہ میں ہجرت۔ گھر بار چھوڑ کر اہل و عیال سے منہ موڑ کر خالصتہً اللہ کے لئے نکل جانا۔ اللہ نے بتایا ہے کہ یہ وہ عظیم اعمال ہیں جن کے بعد سابقہ زندگی کے تمام گناہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۔" اور درست کر دیئے ان کے حالات" ——— یہاں تقابل کے لئے قرآن کا اسلوب ملاحظہ کیجئے۔ پہلی آیت ختم ہوئی تھی "اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ" کے الفاظ پر اور دوسری آیت کا اختتام ہوتا ہے "وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ" پر ——— عربی میں "بال" کا لفظ بہت جامع ہے اس سے ظاہری و باطنی احوال اور کیفیات بھی مراد ہوتی ہیں اور کمزوری، ضعف، احتیاج، بے بسی اور مظلومی کی حالت بھی۔ نیز مآل اور انجام بھی ——— تو فرمایا کہ اللہ نے ان کے ظاہری و باطنی اور مخفی احوال درست کر دیئے۔ ان کی ذہنی و قلبی کیفیات کی اصلاح فرما دی۔ یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں عطا فرمایا۔ آخرت میں بھی اللہ کے فضل سے وہ سرخرو ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ وہاں کے احوال بھی ان کے لئے درست فرما دے گا۔

تیسری آیت اب آیئے تیسری آیت کی طرف، فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

آیت کا رواں ترجمہ ہوگا:

"یہ (دو) اہل کفر اور اہل ایمان کے انجام میں فرق) اس سبب سے ہے کہ کفر کرنے والوں نے

© rasailojaraid.com

باطل کی پیروی کی اور ایمان لانے والوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔ اس طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔"

یہ آیت قدرے طویل ہے اور چند اہم اور اساسی مباحث پر مشتمل ہے لہٰذا اسے بھی ہمیں حصوں میں سمجھنا ہوگا۔

دو مختلف انجاموں کا سبب: یہ دو مختلف انجام کیوں ہوئے۔ یہ عظیم ظاہری فرق و تفاوت کیونکر واقع ہوا! اس لیے کہ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا لہٰذا ان کا انجام یہ ہے کہ ان کی تمام مساعی رائیگاں گئیں۔ دوسرا گروہ ان کا ہے جو ایمان لائے بالخصوص اس چیز پر جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور جنہوں نے نیک عمل کیے ـــــ یہ وہ لوگ ہیں جن کا انجام اتنا اچھا ہے کہ ان کی تمام سابقہ خطائیں اور گناہ معاف اور آئندہ کے لیے اللہ کا وعدہ: اَصْلَحَ بَالَهُمْ۔ ـــــ چنانچہ اس فرق و تفاوت کو یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا کہ: ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ۔ معلوم ہوا کہ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی انہوں نے درحقیقت پیروی اختیار کی ہے باطل کی ـــــ درآنحالیکہ باطل کا حقیقی وجود کوئی نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک سراب ہے جس میں نظر آتا ہے کہ پانی ہے۔ حالانکہ پانی نہیں ہوتا۔ کوئی اس کی طرف دوڑے تو نتیجہ یہ نکلے گا یہ بھاگ دوڑ قطعی بیکار ثابت ہوگی۔ سورۂ نور میں یہ تمثیل آئی ہے کہ اہل کفر کے اعمال کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی سراب۔ پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے لیکن جب وہاں پہنچتا ہے تو پانی تو نہیں ملتا البتہ موت منتظر ہوتی ہے۔

اس کے برعکس معاملہ یہ ہے کہ: وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ "اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے دراصل اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے"۔ حق کہتے ہی اسے ہیں جو واقعتہً موجود ہو ـــ جو شے نظر آئے لیکن حقیقتاً موجود نہ ہو، وہ باطل ہے چنانچہ "حق" کے اصل معنی یہ ہیں کہ وہ شے جو حقیقی ہو۔ اس کا حقیقی وجود ہو۔ ایک ہوتی ہے خیالی شے۔ وہ شے جو آپ کے ذہن کے اندر ہے اس کا وجود کوئی نہیں تو خیالی وجود کے مقابلہ میں ہے واقعی وجود۔ اسی کو حق کہتے ہیں ـــ اسی لئے "الحق" اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور یہ اس تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ "یہ اس لیے کہ الحق تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے"۔ حقیقی وجود

© rasailojaraid.c

تو اسی کا ہے۔ باقی جو کچھ نظر آ رہا ہے ان کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ یہ تو پرچھائیاں ہیں جو سراسر وقتی ہیں۔ ابھی آنکھوں کے سامنے ہیں اور دفعتہً معدوم ہو جائیں گی۔ ان کی مثال تو درختوں کے سایہ کی ہے جو روشنی کا محتاج ہے۔ روشنی گئی اور سایہ کا وجود بھی ختم ہوا۔ یہ تو آئینہ کا عکس ہے۔ آپ اس کے سامنے کھڑے ہیں تو ادھر بھی آپ نظر آ رہے ہیں۔ حالانکہ آپ حقیقت میں اس میں موجود نہیں ہیں۔ اس صورت حال کی صحیح تصویر عربی کے اس شعر میں بیان ہوئی ہے:

كُلُّ مَا فِي الْكَوْنِ وَهْمٌ أَوْ خَيَالٌ
أَوْ عُكُوسٌ فِي الْمَرَايَا أَوْ ظِلَالٌ

یعنی جو کچھ اس کائنات میں نظر آ رہا ہے، وہ یا وہم ہے یا خیال ہے یا اس کی مثال اس آئینے کی ہے جس میں عکس نظر آتا ہے۔ یا پھر اس کی مثال سائے کی سی ہے۔ وجود حقیقی صرف اللہ کا ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ۔ اور ۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ
(وہی اللہ ہے الاوّل، الآخر، الظاہر اور الباطن)

اب جو شے "الحق" تعالیٰ و سبحانہٗ کی طرف سے آئی ہے وہ بھی حق ہے۔ اَلْقُرْاٰنُ حَقٌّ۔ یہ قرآن حق ہے۔ تو جنہوں نے اس حق کی پیروی کی، آخر کار وہی بامراد ہوں گے۔ وہی اپنی منزل مراد کو پہنچیں گے۔ وہی ہیں جن کی مساعی نتیجہ خیز اور بار آور ہوں گی۔ وہی ہیں جو اپنے ہدف کو پائیں گے اور کامیاب و کامران ہوں گے۔ یہ مختصر تشریح و توضیح ہوئی آیت کے اس حصہ کی: ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط

اب آیت کے آخری حصہ پر آئیے، فرمایا: كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝
"اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے اُن کی مثالیں بیان کرتا ہے"۔

امثال کا مفہوم: یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ "امثال" کا لفظ کیوں کہا! ۔ میں اشارہ کر چکا ہوں کہ ابھی یہ حقیقت پردۂ مستقبل میں مستور ہے۔ یہ حقیقت تو یوم بدر میں عیاں ہوگی جس سے متصلاً قبل یہ سورۃ نازل ہوئی۔ مشرکین کے لئے وہ دن سراسیمگی، حیرانی اور ہیبت کا دن ہوگا۔ وہ ششدر رہ جائیں گے کہ یہ کیا ہوا؟! کہاں کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار کا لشکر! اور کہاں تین سو تیرہ کی نفری جن کے پاس کل آٹھ تلواریں تھیں۔ ہر ایک کے پاس تلوار بھی نہیں تھی کسی کے پاس نیزہ ہے تو کوئی دوسرا ہتھیار نہیں کسی کے پاس تیر کمان ہے تو اور کوئی شے نہیں ہے ۔ سواری کا سامان کیا تھا جس کا حال صرف دو گھوڑوں پر مشتمل ہے۔ البتہ کچھ اونٹ ساتھ ہیں جن

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کی تعداد ستر بتائی گئی ہے حفیظ جالندھری مرحوم نے شاہنامۂ اسلام میں " بدر کی فرد " کے عنوان سے ایک بہترین اور پُر تاثیر نظم کہی ہے۔ اس کے اس مصرع میں یہ اعداد موجود ہیں کہ یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے ــــ !

ادھر مشرکین کے لشکر میں سو گھوڑوں کا رسالہ مقابلہ کے لیے موجود تھا۔ اب آپ غور کیجیے کہ گھڑ سوار اور پیدل کا کیا مقابلہ! گھڑ سوار نہایت تیز رفتاری سے نیزہ تانے ہوئے حملہ آور ہوتا ہے۔ کوئی بے حساب کتاب میں آنے والی بات۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا! ان کے ستر سر کردہ فرد کے لاشے میدانِ بدر میں اس طرح پڑے ہوئے تھے، جیسے کھجور کے درخت کے کٹے ہوئے تنے ــــ !

یوم الفرقان اور اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو یوم الفرقان قرار دیا۔ ابوجہل نے خود یہ لفظ اختیار کیا تھا کہ آج کے دن کی جنگ "یوم الفرقان" ہوگا۔ اس نے یہ اس لیے کہا تھا کہ اسے یقین تھا کہ فتح ہماری ہے۔ ہمارے مقابلہ میں ہے کیا! کچھ بھی نہیں۔ اپنے لشکر کی ایک ہزار کی تعداد اور اس کا کیل کانٹے سے لیس ہونے پر اسے یقین و وثوق کامل تھا کہ فتح ہماری ہوگی یہ تین سو تیرہ افراد قریباً نہتے۔ یہ ہمارے مقابلہ میں کتنی دیر ٹھہر سکیں گے! لہٰذا ہماری فتح روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ اسی گھمنڈ میں اس نے پیشگی طور پر اس دن کو یوم الفرقان قرار دے دیا تھا کہ یہ دن فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر ہے اور کس کے ساتھ اللہ ہے۔ جیت تو ہماری ہونی ہی ہے۔ لہٰذا کیوں نہ میں اپنی فطانت اور اپنی دور بینی کا سکہ جما لوں۔

اللہ تعالیٰ نے بعد میں سورۃ الانفال میں فرمایا کہ واقعتہً ہم نے اسے 'یوم الفرقان' بنا دیا. بات کھل کر سامنے آگئی کہ کون حق پر ہے اور کس کی پشت پر اللہ کی مدد حاصل ہے۔ ورنہ ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس لشکر کے مقابلہ میں تین سو تیرہ قریباً نہتے اہلِ ایمان کا اس طور پر غالب آجانا کہ مشرکین کے ستر سر برآوردہ اور جنگجو لوگ مقتول ہوئے اور ستر ہی افراد اسیر بنا لیے گئے جب کہ اہلِ ایمان کے صرف تیرہ افراد شہید ہوئے ــــ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس سورۂ مبارکہ کے نزول سے پہلے تک یہ بات پردۂ مستقبل میں مستور تھی۔ لہٰذا 'امثال' کا لفظ لایا گیا: كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ "اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔" تاکہ جو حقیقت شناس لوگ ہیں وہ حقیقت کو پا لیں۔ جن لوگوں میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ان مثالوں کے ذریعہ سے حقیقت تک پہنچ جائیں وہ پہلے سے اس کا ادراک

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اور شعور حاصل کرلیں ۔

آج کی نشست میں تین آیات کا مطالعہ ہی مکمل ہو سکا ۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں ۔ اب ان شاء اللہ اگلی نشست میں ہم چوتھی آیت کا مطالعہ کریں گے ۔ جس کے متعلق میں آپ حضرات کو بتا چکا ہوں کہ یہ آیت قرآن مجید کے اہم اور مشکل مقامات میں سے ایک ہے ۔ لہٰذا اس کے مطالعہ کے شاید ایک پوری نشست درکار ہو ۔ اللہ نے چاہا تو اسی آیت مبارکہ کا آئندہ نشست ہی میں ہم مطالعہ کریں گے ۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ط وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com

متحدہ عرب امارات کے

قارئین کے لیے اطلاع

متحدہ عرب امارات کے قارئین ماہنامہ "میثاق" و ماہنامہ "حکمتِ قرآن" کو ان پرچوں کی وصولیابی وغیرہ کے ضمن میں اگر کوئی شکایت ہو تو وہ ابوظبی میں ہمارے دفتر سے درج ذیل پتہ پر رابطہ قائم فرمائیں ۔

جمعیت خدام القرآن ابوظبی

ص ب ۳۸۸ ابوظبی

ٹیلیفون : ۷۱۶۵۰۹

© rasailojaraid.com